خداپرستی اور مادیت کی جنگ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ مِنْ یَوْمِنَا ھٰذَا اِلٰی یَوْمِ الدِّیْن۔

آج کل اکثر حلقوں میں یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ مادیت دنیا میں ترقی کر رہی ہے اور ایمان باللہ کا عقیدہ بہت کم ہوتا جاتا ہے۔ اس سے ایک طرف تو پرستارانِ مادہ کلاہ فخر آسمان پر اچھالتے ہیں اور یہ امید ظاہر کرتے ہیں کہ ایک وقت میں دنیا سے مذہب بالکل مٹ جائے گا۔ دوسری طرف اہلِ مذہب پر مایوسی چھاتی ہے، اور وہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم انتہائی کمزور ہو گئے ہیں۔

مگر کیا یہ خیال صحیح ہے؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ دنیا میں خدا پرستی اور مادیت کی جنگ ہمیشہ سے جاری ہے اور انسان چونکہ خود مادی خواہشوں میں اور مادیات کے شکنجہ میں اسیر ہے اس لیے اکثر افراد ہمیشہ سے خدا کے منکر رہے ہیں اور وہ افراد بہت کم رہے جو خدا کو واقعی مانتے ہوں لیکن یہ لوگ اپنے عزم و ارادہ اور قوتِ ایمان و اعتقاد سے ہمیشہ اس جنگ میں کامیاب ہوتے رہے اور مادیت کو شکست ہوتی رہی۔

ہمارا لامذہبیت کے بڑھنے کا انتہائی شکوہ کرنا ویسا ہے جیسے ہر زمانہ کا شخص اپنے زمانہ کے مصائب کا اور ہر عالم اپنے زمانہ میں ناقدریٔ علم کا مرثیہ پڑھتا رہا ہے۔ اگر آپ ہر دور کے مصنفین کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھئے تو اس میں اپنے زمانہ کا اس طرح دردناک الفاظ میں تذکرہ ہے، جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس حالت سے بدتر حالت آ ہی نہیں سکتی۔ ہم ان الفاظ کے لحاظ سے اگر رفتار تنزّل کی بناء پر اپنے زمانہ کا قیاس کریں، تو چاہئے کہ ہمارے وقت میں ایک لفظ بھی اچھائی کا باقی نہ رہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف نتیجہ ہے اس بات کا کہ انسان کو اپنے سامنے کے واقعات سے تکلیف زیادہ پہنچتی ہے اور وہ اس کی قدر زیادہ کرتا ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بدتر حالت کبھی نہ آئے گی۔ حالانکہ حقیقتاً حالات تقریباً یکساں ہوتے ہیں اور ان میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کس زمانہ میں یہ مادیت نہیں تھی؟ عقائد میں مادہ رہا، افعال میں رہا۔ عقیدہ میں خدا کا نام زبان پر لیکن ؎

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ
خود بر سرِ بازار خریدار بر آمد

کیا اس کے معنی خدا کو بھی مادی ذرّات بنا لینا نہیں ہے؟ وہی مادہ تھا جس نے بتوں کے سامنے سر جھکوا دیئے۔ اسی مادہ کے ساتھ تعلق کا قائم ہونا۔ ان چیزوں کے ساتھ ذہن کا مانوس ہونا (ہے)۔ کوئی فلسفی حکیم ہے، اس نے نظریات کے ذریعہ سے ظاہر کیا۔ کوئی سطحی نظر والا ہے، اس نے افعال سے ظاہر کیا۔ ہر محبوب شئے کو دیکھ کر اس کے سامنے جھک گئے۔ ہر بڑی چیز کو دیکھ کر اپنے سے بلند سمجھنے لگے۔ آفتاب کی پرستش کی گئی۔ ماہتاب کی عبادت ہوئی۔ ستاروں کو معبود مانا۔ اس کے مقابلہ میں دلیل بھی وہی پیش کی گئی جو مادیت کے ابطال کا ذریعہ ہے۔ یعنی یہ کہ متغیّر چیز خدا نہیں ہو سکتی۔

ملاحظہ ہو حضرت ابراہیمؑ کی بحث جس کا قرآن میں تذکرہ ہے:-

"فَلَمَّا جَنَّ عَلَيۡهِ الَّيۡلُ رَاٰ كَوۡكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِيۡنَ۔" (انعام:۷۷)

جس وقت شب طاری ہوئی ستارہ سامنے آیا کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ جب اس نے غروب کیا، کہا میں غروب کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اسی طرح چاند اور سورج دونوں کی ربوبیت کو ایک ایک کر کے باطل کیا۔ اور اس کے بعد کہا:-

"اِنِّىۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِىَ لِلَّذِىۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِيۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ۔ (انعام:۸۰)

میں نے اپنا رخ پھیرا ہے اس ایک ہستی کی طرف جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ میں ہرگز مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

یہ مادیت ہی تھی جس کے پیشِ نظر مقدس کتابوں میں ایسی باتیں شامل کر دی ہیں جو ہرگز جلال الٰہی کے لیے مناسب نہیں ہیں جیسے توریت میں حضرت آدمؑ کے قصہ میں۔ جس وقت انہوں نے گیہوں کھایا، تمام جسم عریاں ہو گیا۔ لکھا ہے کہ آدمؑ کو خدا ٹہلتا ہوا اس باغ کے اندر دکھائی دیا۔ وہ سیر و تفریح کے لیے باغ میں آیا تھا۔ آدمؑ کو فطرتاً شرمندگی محسوس ہوئی۔ درخت کے اندر چھپ گئے۔ خدا نے آواز دی: "تم کہاں ہو؟" آدمؑ نے کہا: "میں درخت کی جھاڑی میں چھپا ہوا ہوں۔"

یہ کس نے خدا کا اس طرح کا تصور پیش کرایا ہے۔ یہ وہی مادیت کے ساتھ انسان کی محبت ہے۔

اسی طرح یہ کہ حضرت یعقوبؑ سے رات بھر خدا نے کشتی لڑی۔ حضرت یعقوبؑ بھی ایسے تھے کہ رات بھر لڑا کیے اور کوئی مغلوب نہ ہوا۔ جب صبح قریب ہوئی تو خدا نے کہا، بس مجھے اب چھوڑ دے۔ یعقوبؑ نے کہا میں تو نہ جانے دوں گا۔ مجھے برکت دیتا جا۔ اسی بناء پر لقب ہوا "اسرائیل"۔ "ایل" کے معنی عبرانی میں ہیں "خدا" کے اور "اسرا" کے معنی ہیں قوت کے۔ یہ مادیت ہی کے جذبات تھے جنہوں نے خدا کے لیے حلول کی اجازت دی کہ خدا مختلف جسموں میں حلول کرتا ہے، نمایاں ہوتا ہے۔ درختوں میں نمایاں ہوتا ہے۔ جس میں کبھی اس نے زیارت کرا دی وہ ہمیشہ کے لیے مقدس ہو گیا۔ اس کے لیے کسی نے کہا ہے ؎

نیست اندر جامہ ام غیر از خدا

لا الله الا انا ھا فاعبدون

"میرے ان کپڑوں میں خدا کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ آؤ سب میری عبادت کرو۔"

یہ کیا ہے؟ وہی خدا کی ہستی کو اس کے "تنزیہہ" و "تقدیس" کے درجہ سے گرانا اور نقائص سے متصف کرنا۔ ان تمام عقائد میں مادہ کی کارفرمائی تھی۔ اسی طرح افعال و اعمال سے دنیا میں ہمیشہ خدا کے انکار کا مظاہرہ ہوتا رہا۔ ہمیشہ دنیا اپنے افعال سے یہ ثابت کرتی رہی کہ وہ خدا کی قائل نہیں ہے۔ وہ فرعون کی فرعونیت خدا سے انکار ہی پر مبنی تھی۔ اس کا یہ کہنا:

"يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيۡنِ فَاجۡعَلۡ لِّىۡ صَرۡحًا لَّعَلِّىۡۤ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوۡسٰى وَاِنِّىۡ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الۡكٰذِبِيۡنَ۔"

(قصص:۳۸)

اے ہامان! میرے لیے ایک قلعہ بنا دے۔ شاید میں چڑھ کر خدائے موسیٰ کو دیکھ سکوں اور میں تو انہیں جھوٹا سمجھتا ہوں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ وہی تصور سامنے ہے کہ خدا اگر ہے تو بلندی پر بیٹھا ہوا ہوگا۔ اور قلعہ پر سے دکھائی دے گا۔ اس کے بعد خدا کے نہ ماننے ہی کا نتیجہ تھا کہ دنیا کو نہ ماننے کی دعوت دے رہا ہے یہ کہہ کر

"انّی لا اعلم لکم من الٰہ غیری"

''میں تمہارے لیے کوئی خدا نہیں جانتا ہوں
سوائے اپنے۔''

یہ درحقیقت اس کے خیالات تھے جو زبان سے نکلتے تھے۔
یہ اس کی جرأت تھی کہ اس نے اعلان کردیا، ورنہ دنیا میں ہر زمانہ کے فرعون اپنے اعمال سے ثابت کرتے رہے ہیں کہ وہ اپنے کو خود معبود سمجھتے ہیں۔ اور دنیا والے ہمیشہ اپنے اعمال سے اس بات پر مہر کرتے رہے ہیں کہ بس آپ ہی آپ ہیں اور کوئی بھی نہیں۔

یہی جذبہ حد سے بڑھا اور اندیشہ نہیں باقی رہا تو زبان سے ظاہر ہوگیا۔ اگر زبان سے اظہار میں اندیشہ ہوا تو عمل سے ظاہر ہوا۔ اس کے خلاف خدا کے وجود کے بارے میں گواہی ہر زمانہ میں خدا کے بندے دیتے رہے اور اپنے عمل سے ثابت کردیا کہ دنیا کی تمام طاقتیں ہیچ ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اور صرف ایک ہستی ہے جو ان سب سے بالاتر ہے۔ آج دنیا کہتی ہے کہ آنکھوں سے جو چیز نہیں دیکھی گئی ہو اس کا یقین کیوں کر ہوسکتا ہے۔ مگر مشاہدہ بتاتا ہے کہ آنکھوں سے نہ دیکھنے کے بعد بھی کبھی وہ یقین ہوتا ہے جو دیکھنے کے ساتھ اکثر نہیں ہوتا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آنکھوں سے دیکھنے کی تمام چیزیں انسان کو روک رہی ہیں۔ ایک اقدام سے اور کوئی غیبی طاقت ہے جو محرک ہے اور اس صورت میں انسان تمام مادی چیزوں سے آنکھیں بند کرلیتا ہے اور اس غیبی طاقت کے اشارہ پر کام کرتا ہے۔

وہ فرعون کا دربار اور وہ آثارِ سلطنت، وہ تمام شان و شوکت اور وہ جاہ و جلال، اس میں موسیٰ و ہارونؑ دو خدا کے بندے اور وہ ایسی آزادی سے پیغام پہنچا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں شان و شوکت کی کچھ بھی نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلطنت جس کو آنکھیں دیکھ رہی ہیں کوئی اثر نہیں ڈال رہی ہے مگر وہ طاقت جو دکھائی نہیں دیتی ہے اس کا احساس گھیرے ہوئے ہے۔

وہ نمرود کا دربار، اس میں ابراہیمؑ۔ ابراہیمؑ اکیلے، نہ کوئی مونس و یاور۔ اگر اس آنکھ سے دیکھی ہوئی طاقت سے مرعوب ہوتے جس کا نام تھا نمرود اور غیبی طاقت پر اعتقاد نہ رکھتے ہوتے تو کیا یہ استقلال پیدا ہوتا؟ مگر نہیں۔ وہ تختِ سلطنت پر کہہ رہا ہے کہ درحقیقت جو کچھ بھی اقتدار ہے وہ مجھ کو حاصل ہے اور ابراہیمؑ سے کہتا ہے کہ خدا کے وجود کا کیا ثبوت ہے؟ ابراہیمؑ کہتے ہیں "رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ" (بقرہ:۲۵۸) ''میرا خدا وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔'' وہ کہتا ہے: ''یہ تو میرا کام ہے۔ میں جلاتا ہوں اور مارتا ہوں''۔

ابراہیمؑ کہتے ہیں: "اِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ" (بقرہ:۲۵۸) خدا آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے، اگر تو خدا ہے تو مغرب سے نکال دے۔ "فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ" (بقرہ:۲۵۸) یہ سن کو وہ مبہوت ہوجاتا ہے۔

یہ مقابلہ الٰہیات کا اور مادیات کا دنیا میں ہمیشہ قائم رہا ہے۔ ادھر دنیا والے اپنے عمل سے ثابت کرتے رہے اور اعلان کرتے رہے کہ خدا کچھ نہیں۔ ادھر خدا کے ماننے والے اپنے عمل سے ثابت کرتے رہے کہ یہ دنیا کچھ نہیں اور جو کچھ ہے وہ وہی ہے۔ وہ مادیت تھی جو یحیٰ کے سر پر تلوار چلا رہی تھی۔ اور وہ الٰہیت تھی جو یہ سمجھنے کے بعد کہ میرا قتل یقینی ہے اپنا سر پیش کرا رہی تھی۔ یہ بھلا ایک موہوم چیز انسان پر اپنا اثر ڈال سکتی ہے۔ کیا ایک وہمی چیز انسان کو طاقت و جبروت کے مقابلہ میں قائم و برقرار رکھتی ہے؟ یہ وہی ہے جو میں کہہ رہا تھا کہ خدا کے ماننے والے خدا کو ہزار حقیقتوں سے زیادہ یقینی چیز سمجھتے ہیں جو شک پر، گمان پر، وہم پر نہیں قائم ہے۔ بے شک انکار خدا کا سرمایہ لاعلمی ہے۔ مگر خدا کا اقرار علم و یقین پر مبنی ہے۔ وہ خدا کا انکار تھا، مادیت ہی کے نقطۂ نظر سے، جو ولید بن یزید بن عبدالملک کی زبان سے کہلوا رہا تھا۔

فقل للّٰہ یمنعنی طعامی
وقل للّٰہ یمنعنی شرابی

(یعنی) ''کہو خدا سے میرا کھانا پینا بند کردے۔

میں تو شرابخوری ہی میں زندگی گزاروں گا۔‘‘

اور قرآن مجید میں جو فال دیکھی اور یہ آیت نکلی:-

’’وَاسۡتَفۡتَحُوۡا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيۡدٍ‘‘ (ابراہیم:۱۵) تو قرآن کو پھاڑ ڈالا۔ اور یہ شعر پڑھے:-

اتو عد كلّ جبّار عنيد
فها انا ذالک جبّار عنيد
اذا ما جئت ربک یوم حشر
فقل یا ربّ مزّقنی الولید

’’کیا تو‘‘ ہر سرکش اور معاند کو دھمکیاں ہی دیتا ہے۔ اچھا تو دیکھ کہ میں سرکش اور معاند ہوں۔ جب تو اپنے خدا کے پاس قیامت کے دن جانا تو کہہ دینا کہ مجھے ولید نے پھاڑ ڈالا تھا۔‘‘

یہ ہے انکارِ خدا کا مظاہرہ۔ یہی وہ انکارِ خدا تھا جو رسالتمآبؐ کے مقابلہ میں دنیا والوں کی زبان سے یہ کہلواتا تھا کہ جتنی دولت لینا ہو، لے لیجئے، اور جس بڑے سے بڑے عرب خاندان میں آپ کہیں شادی کردیں، مگر آپ پیغامِ توحید نہ پہنچایئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ سمجھتے تھے وہ دنیوی چیزوں کو سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہ جانتے تھے۔ مگر یہ خدائی غیبی طاقت تھی جس نے کہلوادیا رسولؐ کی زبان سے کہ اگر میرے ایک ہاتھ پر آفتاب رکھ دو، اور ایک پر ماہتاب اور مجھ سے یہ توقع رکھو کہ میں اپنے الٰہی پیغام سے باز آجاؤں تو یہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کچھ بھی نہیں اور وہ جسے دیکھا نہیں، وہی سب کچھ ہے۔ یہ کیا تھا کہ ڈھیلے پھینکے جاتے ہیں، پتھر پھینکے جاتے ہیں، خون بہنے لگتا ہے، ذلّت کی جاتی ہے۔ خود ارشاد ہوتا ہے:-

ما اوذی نبیٌ قط کما اوذیت۔

کسی نبی کو اتنی تکلیفیں نہیں پہنچیں، مستقل تکلیفیں

ایک انسان کے لئے قتل کیا جانا آسان ہے مگر اس طرح کی قلبی تکلیفیں سخت ہوتی ہیں۔

پھر ملاحظہ ہو کہ وہ مادیت ہی تھی جو عمر سعد کی طرف سے لوگوں کو گواہ بنا رہی تھی۔ ’’گواہ رہنا کہ یہ پہلا تیر ہے جو میں حسینؑ کے لشکر پر لگاتا ہوں۔‘‘ اور وہ خدا کا پورا عقیدہ تھا جو حسینؑ سے کہلوا رہا تھا: ’’**اللّٰھم اشھد علی ھؤلاءِ القوم۔**‘‘ خداوندا اس قوم پر گواہ رہنا۔‘‘

عمر سعد صرف اس سامنے کی جماعت کو سب کچھ سمجھتا تھا۔ اس لئے اس نے گواہی کے لیے ان کو پکارا۔ مگر وہ خدا کا ماننے والا کسی ایک غیبی طاقت کو حاضر سمجھتا تھا۔ اس لیے اس نے اپنا گواہ اسے قرار دیا۔ گواہیاں دونوں کام آئیں گی۔ مگر وہ دنیا میں کام آئے گی جو فانی ہے اور یہ آخرت میں کام آئے گی جو باقی ہے۔ وہ خدا کا انکار تھا۔ جو بھرے ہوئے دربار میں حاکمِ شام کی زبان سے کہلوا رہا تھا:-

این اشیاخی ببدر شهدوا
جزع الخزرج من وقع الاسل

’’کہاں ہیں ہمارے وہ بزرگ جو جنگِ بدر میں مارے گئے۔ وہ آج دیکھتے کہ کس طرح ہم نے نیزہ بازی وشمشیر زنی میں کارِ نمایاں انجام دیئے۔‘‘

لعبت هاشم بالملک ولا
خبر جاء ولا وحی نزل

’’یہ تو بنی ہاشم نے سلطنت کا ایک کھیل کھیلا تھا۔ حالانکہ نہ کوئی خبر آئی تھی اور نہ کوئی وحی اتری تھی۔‘‘

لست من خندف ان لم انتقم
من بنی احمد ما کان فعل

’’میں اپنے باپ دادا کی اولاد سے نہیں اگر احمدؐ کی اولاد سے بدلہ نہ لوں، اُس کا جو انھوں نے بدر و اُحد میں کیا تھا۔‘‘

اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا کوئی چیز نہیں ہے۔ جو کچھ ہے وہ دنیا ہے جو کچھ ہے وہ اسی دنیا کا اقتدار ہے۔ اس کے بعد جو کچھ بھی اعمال وافعال کا محرک ہے وہ وہی حیوانیت، انتقام، ہوس،

طمع، لالچ، ان ہی سب کے ماتحت سب کام کئے جا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی چیز ہے ہی نہیں جو محرک عمل ہو۔لیکن وہ کہ جو خدا کے ماننے والے تھے، انہوں نے دکھلا دیا کہ سلطنت کوئی چیز نہیں، حکومت کوئی چیز نہیں، اقتدار کوئی چیز نہیں، اعزا کی محبت کوئی چیز نہیں، اولاد کی محبت کوئی چیز نہیں، آبرو کوئی چیز نہیں، جو کچھ ہے وہ وہی ہے جو سب کا خالق ہے جو سب کا پیدا کرنے والا ہے۔

آج مادی دنیا کو آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہئے کہ کس کا نقطۂ نظر صحیح تھا اور کس کا غلط۔ یعنی وہ مادی قصر جو سلطنت کی چوٹیوں پر قائم کئے گئے تھے وہ سلطنتی اقتدار جو دنیا کے بھروسے پر قائم تھا، وہ دنیا میں کتنا طاقتور رہا اور کتنے دن اس کو بقا رہی؟ اور وہ خیال جو مادی نقطۂ نظر سے لاشے پر مبنی تھا اسے دنیا میں کتنا ثبات واستقلال حاصل ہوا؟

آج وہ قصر ملیا میٹ ہو گئے۔ لیکن وہ خدائی قصر دنیا میں اس طرح نمایاں ہوا کہ اقوامِ عالم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کی عظمت کا احساس کرتے ہیں اور یہی خاص پہلو ہے واقعۂ کربلا کا ،جس کی بناء پر یہ کہنا درست ہے کہ ازل سے لے کر اس وقت تک مذہبیت اور مادیت ،الٰہیت اور دنیاداری کے درمیان ایسی جنگ کبھی نہیں ہوئی تھی اور مذہب کو اتنی بڑی فتح دنیا کی طاقتوں کے مقابلہ میں کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی، جتنی بڑی فتح واقعۂ کربلا میں حاصل ہوئی اور اس لیے دنیا کے جتنے اہل مذہب ہیں خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں، ان کو مذہبی احساس کی قوت دکھلا دینے کے لئے واقعۂ کربلا کی یادگار قائم کرنا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ مادیت کے مقابلہ میں عملی کامیابی جیسی کربلا میں حاصل ہوئی، اس کی مثال دنیا کے پردہ پر ناپید ہے۔ اگر یہ دنیا ہی کوئی چیز ہے اور اس کی مادی طاقتیں ہی سب کچھ ہیں، تو کیا حسینؑ کے مٹانے میں کوئی کسر بھی رہ گئی تھی؟ اور کیا یزید کی فتح و ظفر میں کوئی کمزوری سمجھی جاسکتی تھی؟ مکمل کامیابی! مگر وہ آنکھوں سے نہ دیکھی ہوئی طاقت ہے جس نے فنا کو بقا بنا دیا، موت کو حیات بنا دیا۔ وہی جو مٹ گیا تھا ہمیشہ کے لیے باقی رہا۔ اور وہ جو کامیاب ہوا تھا ہمیشہ کے لیے فنا ہوگیا۔ وہ جن کو فتح حاصل ہوئی تھی، آج ان کی طرف نسبت رکھنے والے شرماتے ہیں منسوب ہونے سے۔ اور وہ جو مٹا دیئے گئے تھے، جن کا نام لینا جرم تھا، آج ان کی طرف غلط نسبت دینا بھی فخر سمجھا جاتا ہے۔ جا کر دیکھ لیجئے دمشق کے قصرِ حکومت کو اور تاجدارِ دمشق کی آخری خوابگاہ کو، یہ کیا ہے کہ کوئی زبان سے، خواہ کسی مصلحت سے ان لوگوں کو اچھا کہے لیکن وہاں جا کر خود ضمیر اجازت نہیں دیتا رخ کرنے کی اور متوجہ ہونے کی، لیکن وہ کہ جسے دنیا نے مٹا دیا تھا، اور اس کے ساتھ ان حقوق کو بھی نظر انداز کر دیا تھا جو ہر مسلمان کو ہر مسلمان پر حاصل ہیں، جا کر ذرا دیکھ لیجئے اس نے جنگل کو کاشانہ بنا دیا۔ سنسان میدان اور ریتیلی زمین جو آج دنیا کا قبلۂ مقصود بنی ہوئی ہے۔ شاہان دنیا کے سرخم ہوتے ہیں اور سلاطینِ عالم کے دل متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ ہمیشہ کے لیے مادیت اور روحانیت کی جنگ کا ایک فیصلہ ہے جو آپ کے سامنے ہے اور آپ کی آنکھوں کے سامنے محفوظ ہے اور آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ مادیت میں کتنی طاقت ہے اور روحانیت میں کتنی قوت ہے۔

✿✿✿